شہادت جناب سید الشہداؑ امام حسینؑ پر
رونا چاہئے یا خوش ہونا چاہئے

نواب رضا علی خان صاحب قزلباش، تعلقدار نواب گنج، علی آباد، بہرائچ

انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ غم کے موقع پر روئے یا افسوس کرے۔ اور خوشی کے موقع پر خوش ہو۔ پہلے جب بچہ دنیا میں آتا ہے تو اس کا پہلا فعل رونا ہوتا ہے۔ جب بچے کو بھوک لگتی ہے تو وہ رو پڑتا ہے۔ اور جب سیر ہو جاتا ہے تو سو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی فطرت میں اول رونا اور اس کے بعد ہنسنا ہے۔ جب انسان اپنی عقل و ہوش کو پہنچ جاتا ہے۔ تو وہ اس وقت تک نہیں روتا جب تک اس پر کوئی بڑی بھاری مصیبت واقع نہ ہو۔ اس کمی سے یہ نہیں جان لینا چاہئے کہ انسان کی فطرت سے رونا جاتا رہتا ہے۔ صرف اتنا فرق ہو جاتا ہے کہ صاحب عقل ہونے کی وجہ سے اپنے رونے کے موقع کو سمجھتا ہے اور اسی موقع و محل پر روتا ہے اسی طرح خوشی کے موقع پر خوشی کرتا ہے یا ہنستا ہے۔ رونے کے اور ہنسنے کے کئی درجہ ہیں انسان اگر غم کی بات سن لے یا دیکھے تو صرف افسوس ظاہر کرتا ہے۔ مگر اس سے زیادہ غم کی بات سنے یا دیکھے تو اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگتے ہیں۔ اسی طرح پر جوں جوں غم کا درجہ بڑھتا ہے توں توں انسان کی حالت بھی بدلتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان بے خود ہو کر رونے اور پیٹنے لگتا ہے اور بعض اوقات تو انتہائے غم کی وجہ سے مفقود الحواس ہو جاتا ہے اور پاگلوں کی سی حرکتیں کرنے لگ پڑتا ہے۔ خوشی کے پہلے درجہ میں صرف انسان کے چہر پر بشاشت آجاتی ہے۔ جس سے دوسرا شخص اس کے چہرے کو دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ یہ انسان خوش ہے جس طرح انسان کی خوشی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اسی طرح پر اس کی خوشی کا درجہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ حتی کہ قہقہہ مار کر ہنستا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت نہیں ہے کہ اگر انسان پر کوئی مصیبت آئے تو اس کے غم کو فوراً یا حکماً روک دے یا کوئی خوشی واقع ہو تو خوشی کو فوراً اور حکماً بند کر دے ہاں دونوں باتوں کو درجہ وار کم کر سکتا ہے یا روک سکتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں باتوں کا اثر دل اور دماغ پر ہوتا ہے۔ یہ بات کبھی نہیں ہوئی کہ کسی کے گھر موت واقع ہوگئی ہو۔ تو اس کا عزیز بجائے ماتم پرسی کے آکر خوشی کا اظہار کرے۔ کیونکہ خلاف موقع جو کام بھی کیا جاوے وہ خلاف عقل کہلاتا ہے اور لوگ اس کو پسند نہیں کرتے۔ اسی طرح پر کسی کے گھر میں کوئی خوشی یا شادی ہو رہی ہو تو بھی اگر اس کا کوئی عزیز یا غیر آکر اس کے برخلاف کام عمل میں لاوے یعنی بجائے خوشی کے غم ظاہر کر دے تو بھی دیکھنے والوں کی نگاہوں میں وہ عمل باعث نفرت اور مضحکہ آمیز ہوگا۔ دنیا میں انسان کے لئے غم کرنے کے کئی وجہ ہیں۔ اول وجہ یہ ہے کہ جب انسان خود کسی دنیاوی تکلیف میں مبتلا ہو جاوے تو وہ خود اور احباب و اقارب بلکہ غیر بھی اس کو تکلیف اور مصیبت میں مبتلا دیکھ کر یا سن کر متاسف ہوتے ہیں۔ دوسرے کسی انسان کو اگر وجودی تکلیف ہو یعنی کوئی بیماری لاحق ہو تب بھی وہ خود تو معلوم ہے۔ کہ کس قدر

رنج وغم میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ دیکھنے والوں پر بھی اس کی تکلیف کا اثر ہوتا ہے اور رنجیدہ کر دیتا ہے۔ تیسرے جان و مال کا تلف ہوجانا، جان و مال کے ضائع ہوجانے سے بھی انسان کے دل ودماغ پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ جس کو وہ جانتا ہے۔ یا اس کا چہرہ بتلا دیتا ہے کہ اس پر کس قدر مصیبت واقع ہوئی۔ ہاں اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ کیا مصیبت پڑی ہے۔ چوتھے انسان اگر کسی کو خواہ دوست ہو یا غیر ہو مصیبت میں مبتلا دیکھے یا سنے تو بھی غمگین ہوتا ہے۔ دوست کی مصیبت میں زیادہ غمگین ہوگا اور غیر کی مصیبت میں بسبب بشریت کم رنج کرے گا۔ کیونکہ غیر سے اس قدر انس اور محبت نہیں ہوتی جو زیادتی غم کا باعث ہو۔ اسی طرح پرسینکڑوں وجہ ہیں کہ جس سے انسان غم ورنج میں مبتلا ہوتا ہے۔ اگر سب کی تعطیل کی جاوے تو اس چھوٹے سے مضمون میں یہ سما نہیں سکتا۔ خوشی کی بھی کئی وجہ ہیں۔ اول تو دولت مال اور اولاد اور تندرستی ہے جس سے انسان ہر وقت خوش رہتا ہے دوسرے بڑی محنت ومشقت کے بعد کسی کام میں کامیاب ہوجاوے تو بڑی خوشی ہوتی ہے۔ تیسرے کسی دوست کی کامیابی یا خوشی میں خوشی حاصل ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا۔ تمام دنیاوی واقعات اور مثالوں کو چھوڑ کر میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعہ پر غور دلاتا ہوں کہ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس کی مثال آج تک دنیا میں نہیں ہے۔

ماخوذ از ماہنامہ الحافظ لاہور، جون ۱۹۲۷ء ص ۱۰/

کیا یہ بات رنج وغم میں مبتلا کرنے والی نہیں ہے کہ حسینؑ جیسی بزرگ ہستی کو مدینہ منورہ سے خطوط بھیج کر اور دعوت دیکر کوفہ بلوایا جاوے۔ اور ابھی حسینؑ کوفہ تک نہ پہنچے۔ راستہ ہی میں ہو فوج یزید سے مل کر حسین کا مقابلہ کیا جاوے۔ کیا دنیا کے کسی مذہب وملت میں کسی شخص کو دھوکہ دینا روا ہے؟ چہ جائیکہ امام حسینؑ جیسی پاک واعلیٰ ہستی جو کہ زہد وتقویٰ اور عبادات میں ایک فرد ہو دھوکہ دیا جاوے۔ اور وہ لوگ تمام کے تمام اپنے آپ کو نانا کی امت کہیں۔ کیا جناب سید الشہداؑ کا یہی قصور تھا کہ وہ اہل دنیا کو راہ راست پر چلنے اور نیکی کرنے کی ہدایت کرتا تھا اور برائیوں سے بچنے کی نصیحت کرتا تھا۔ دنیا کے تمام مذاہب علاوہ مسلمانوں کے کوئی بھی جناب امام حسینؑ کا کسی قسم کا قصور ثابت نہیں کر سکتے کہ جس کی وجہ سے اس پر یہ ظلم وستم ہوئے۔ دنیا میں ہزار ہا قسم کے ظلم وستم ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں مگر اس قسم کا ظلم آج تک نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ شارع مقدس نے یہ حکم دے رکھا ہے کہ اگر تم کسی حلال جانور کو ذبح کرنا چاہو تو ذبح کرنے سے پہلے اس کو پانی پلا لو اور تب ذبح کرو جب حیوان کے لئے یہ تاکید ہے تو ایک بے گناہ کو جس کا کسی مذہب وملت میں قتل کرنا روا نہیں ہے۔ پیاسا مارنا کب جائز ہو سکتا ہے۔ ہیچ کافر نکند آنچہ مسلماں کردند۔

میں تعجب کرتا ہوں کہ جناب امام حسینؑ کو مسلمان اپنے ہادیٔ دین کا نواسہ تسلیم کریں اور وہ بے گناہ تین دن کا بھوکا پیاسا نماز پڑھتا ہوا سجدہ کی حالت میں اپنی بھوکی پیاسی قلیل فوج کو اپنے سامنے قتل کرتا ہوا دیکھ کر جس میں بھائی بھتیجے، بھانجے، بیٹے اور یار وانصار ہوں مسلمانوں کے ہاتھوں سے ذبح ہو۔ اس پر بھی کسی قسم کا ہیجان ورنج پیدا نہ ہو۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ غم کرنا یا غم کی بات سننا یا غم کی مجلس میں شریک ہونا جائز نہیں ہے۔ وہ لوگ غلط کہتے ہیں کیونکہ کسی شخص کو اس کی فطرت کے خلاف روکنا خلاف عقل ہے اس میں تو خلاف مذہب کا ارتکاب نہیں اور نہ ہی مذہب کسی کو اس کی فطرت کے خلاف حکم دے سکتا ہے۔ ادھر تو پروردگار عالم انسان کی فطرت میں رونا اور خوش ہونا خلق کرتا ہے۔ اور ادھر انسان کو ان باتوں سے روکتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ معاذ اللہ خدا بھی جابر اور ظالم ہے۔ نہیں بالکل نہیں خداوند عالم کسی پر ظلم وجبر نہیں کرتا۔ کیا یہ بات جناب سید الشہداء کی دل کو ہلا دینے والی نہیں ہے جو میری مدد کرے۔ اس کے جواب میں مسلمانوں کی فوج جن میں حافظ قرآن بھی ہوں بجائے جواب کے تیر ماریں۔ اگر حسینؑ پانی طلب کرے تو پانی کے بجائے بھی تیروں سے سیراب کریں۔ جس حالت میں کہ حسینؑ یہ کہے کہ اے فوج مجھ کو بتلاؤ کہ میرا کیا قصور ہے۔ اگر تمہارے

خیال میں میں قصور وار ہوں تو میرے اہل بیت نے جن میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں کیا قصور کیا ہے۔ اگر تم مجھ کو پانی دینا نہیں چاہتے تو تم خود ان معصوم بچوں کو اپنے ہاتھ سے پانی پلاؤ۔ کیونکہ وہ پیاس سے ہلاک ہورہے ہیں۔ تم خدا کو کل کیا جواب دوگے۔ اس کے جواب میں یزید ملعون کی فوج کہتی ہے نہ تم کو اور نہ تمہارے بچوں کو پانی دیا جاویگا خواہ تم سب ہلاک ہوجاؤ جب تک کہ تم یزید کی بیعت نہ کرلو کیا یہ بات دل کو غم میں مبتلا کرنے والی نہیں ہے۔ کہ حسینؑ کون حسینؑ جس کو رسولؐ کے کندھوں پر رسول کے کلمہ پڑھنے والوں نے سوار اور ہر قسم کے ناز اٹھاتے ہوئے دیکھا ہو۔ وہ انہیں مسلمانوں کی فوج میں کھڑا ہو اور اس کے دونوں ہاتھوں پر ایک چھ مہینے کا بچہ ہو اور یہ کہہ رہا ہو کہ اگر میں تمہاری نگاہوں میں گنہگار ہوں تو اس چھوٹے سے بچے نے تمہارا کیا گناہ کیا ہے۔ تم خود اپنے ہاتھ سے اس کو پانی پلاؤ یہ پیاس کے مارے تڑپ رہا ہے۔ اس کے جواب میں فوج یزید سے حرملہ ایک ایسا تیر مارتا ہے کہ بچے کے گلے کو چھید کر حسینؑ کے بازو میں گڑھ جاتا ہے۔ کیا حسینؑ کے پانی مانگنے کا یہی نتیجہ ہوسکتا ہے کیا اس بات سے کلیجہ منہ کو نہیں آجاتا ہم شکل پیغمبر شہزادہ علی اکبرؑ جس کی عمر اس وقت صرف اٹھارہ سال کی تھی اپنے باپ کی مدد کے لئے میدان کارزار میں آتا ہے اور جنگ کرنے کے بعد شہید ہوجاتا ہے۔ اس وقت جناب سید الشہداؑ کا کیا حال ہوا ہوگا کہ اس کے سامنے اس کے جوان بچے کو فوج اعدا ٹکڑے ٹکڑے کررہی ہے اور وہ دیکھ رہا ہے۔ اور سوائے ذکر الٰہی کے زبان پر کچھ نہیں لاتا۔ ان مسلمانوں کو اگر حسین علیہ السلام کا کچھ لحاظ نہ تھا تو ان کو اس بات پر شرم کرنی چاہئے تھی کہ شہزادہ علی اکبرؑ ہم شکل نبیؐ تو ہے اور آج اس نبیؐ کی مجسم تصویر جس کا ہم کلمہ پڑھتے ہیں۔ ہمارے سامنے بھوکی پیاسی کھڑی ہے۔ آؤ اس سے قتال تو نہ کریں اور تھوڑا سا پانی دے دیں۔ ان مسلمانوں کو تو نبیؐ سے شرم نہ آئی۔ دنیا میں قاعدہ ہے کہ اگر کسی چیز کو کسی متبرک چیز سے تشبیہ دیویں تو لوگ اس کی عزت کرتے ہیں۔ چہ جائیکہ ہم شکل نبیؐ سامنے آجاوے اور اس کی عزت نہ کی جاوے اور بجائے عزت کرنے کے بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جاوے کیا دنیا میں اس ظلم سے بڑھ کر اور کوئی ظلم ہوسکتا ہے کہ جناب سید الشہداؑ کے بدن اقدس کو جوتیروں، تلواروں اور نیزوں سے بعد شہادت گھوڑوں کے سموں سے روندا جائے اور اس بات کا ذرا بھی خیال نہ آوے کہ ہم کس بدن کے ساتھ یہ سلوک کررہے ہیں۔ یہ وہ بدن ہے کہ جس کو فاطمۃ الزاہراءؑ دختر نبی آخرالزماں نے چکی پیس پیس کر کن مشقتوں سے پالا ہو۔

دنیا میں لاکھوں لڑائیاں ہوئی ہیں۔ یہ کسی لڑائی میں نہیں دیکھا گیا کہ اگر فوج کا سردار مارا گیا ہو تو اس کے گھر کو لوٹ لیا اور جلادیا ہو اور اس کی عورتوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو ذلت و خواری سے بے چادر بازاروں میں پھرایا ہو یہ صرف حسینؑ کے اہلبیت اور اس کے بچوں کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا۔

میں اس مضمون کو یہیں پر ختم کرتا ہوں اور صرف اس بات کو دکھلانا چاہتا ہوں کہ غم کے موقع پر غمی اور خوشی کے موقع پر خوشی کرنی چاہئے۔ غم کے حالات تو جس قدر اس مضمون میں آسکتے تھے درج کرچکا ہوں اب صرف یہ بات ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ خوشی کے موقع پر ضرور خوشی کرنی چاہئے۔ ہاں خوشی کرنے کا کون سا موقع ہے وہ ولادت جناب سید الشہداؑ ہے کیونکہ ہم کو خداوند عالم کا ہزار ہزار شکر یہ ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہم کو وہ زبردست ہستی عطا کی کہ جس نے اپنا اور اپنے بچوں وغیرہ کا خون بہا کر دین اسلام کو جو اسی وقت ضائع ہوچکا تھا دوبارہ قائم کیا اور وہ مرتبہ حاصل کیا کہ کسی کو نہیں مل سکتا۔ اس موقع پر یعنی ولادت جناب سید الشہداؑ پر جتنی بھی خوشی کی جاوے کم ہے یہ نہ کیا جاوے کہ روز عاشور خوشی کی جاوے اور خوشی کے موقع پر یعنی ولادت کے وقت غمی کی جاوے کیونکہ دونوں باتیں خلاف فطرت اور خلاف عقل ہیں فقط۔

(ماخوذ از ماہنامہ الحافظ، لاہور، ربیع الاول ۱۳۴۶ھ/ستمبر ۱۹۲۷ء)

❁❁❁